اللہ اور رسولؐ کی اطاعت

علامہ حسن الشرباجی السیفوی - رکن
ادارہ فقہ العصر الجدید - مصر

ترجمہ:- سید نصیر شاہ صاحب میانوالی-

"ذیل کا مضمون ماہنامہ الاسلامؒ مصر کی تازہ ترین اشاعت میں منظر عام پر لایا گیا ہے۔ طلوع اسلام کے قارئین علامہ السید احمد السیفی کے اسم گرامی سے اچھی طرح واقف ہیں۔ علامہ حسن الشرباجی انہی کے تحت ادارہ فقہ العصر الجدید میں کام کرتے ہیں۔ وہ علامہ سیفی سے کس حد تک متاثر ہیں اس کا اندازہ اسی بات سے کر لیجئے کہ انہوں نے علامہ سیفی کے اسم گرامی کو اپنے نام کا جزو بنا لیا ہے اور اپنے آپ کو "حسن الشرباجی السیفوی" لکھتے ہیں۔ مضمون زیر نظر کو پڑھتے ہوئے اگر آپ اس موضوع پر محترم پرویز صاحب کی تصریحات بھی ذہن میں رکھ لیں تو آپ حیران ہوں گے کہ دونوں حضرات ایک طرح کی آیات سے استدلال کرتے ہوئے کس طرح ایک ہی نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ اس کی وجہ محض یہ ہے کہ ان حضرات کے نظریات کا ماخذ ایک ہے ـــ اور وہ ہے خدا کی کتاب جس کے متعلق خود خدائے قدوس کا دعویٰ ہے کہ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا" (س-ن-ش)

افتتاحیہ استاذی المکرم علامہ السید احمد السیفی کی نگرانی میں جب ہم لوگوں نے عصر جدید کی فقہ ترتیب دینے کا کام شروع کیا تو اولین سوال جو ہمارے سامنے آیا وہ یہی تھا کہ "اللہ اور رسولؐ کی اطاعت" کا مفہوم کیا ہے۔

اہل مصر اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ "ادارہ فقہ العصر الجدید" میں ملک کے نامور علماء شامل کئے گئے ہیں جنہیں مشرقی و مغربی علوم میں پوری مہارت حاصل ہے اور جنہیں اللہ نے علم و دانش کے مراتب عظمیٰ کے ساتھ ساتھ قلب سلیم کی دولت بے پایاں سے بھی مالا مال کیا ہے۔ (اگرچہ کسی حسنِ ظن کی بنا پر میرے جیسے تہی مایۂ علم و دانش کو بھی اس ادارہ میں شامل کر لیا گیا ہے۔ شاید اسی لئے کہ کلیات مستثنیات سے خالی نہیں ہیں) یہ علمائے عصر اور فضلائے دہر کئی دن کی مسلسل

ملاحظہ ہو حسن الشرباجی السیفوی جیسا فاضل اور اپنے آپ کو بھی اسی لئے علم و دانش بہت جاننے کی کسر نفسی کا مرض ہم مسلمانوں کا کیا کب چھوڑیگا؟ (حیاض الاعتقاد، ایڈیٹر طلوع اسلام)

کدوکاوش اور بحث و تمحیص کے بعد ایک ہی نتیجہ پر پہنچے۔ میں نے ایک طالب علم کی حیثیت سے ان کے استدلالات اور متفقہ نتیجہ کو ترتیب دے کر یہ مضمون تیار کر لیا ہے۔

آزادی کے پروانے

بیسویں صدی کا روشن آفتاب طلوع ہوا تو ہر طرف بیداری حیات کی لہر دوڑ گئی۔ جو قومیں صدیوں سے غلامی کے بندھنوں میں جکڑی پڑی تھیں ان کے ہاتھوں میں قوت مچلنے لگی، خون میں بجلیاں رقص کرنے لگیں، دل سیماب کی طرح تڑپنے لگے اور رگوں میں کچھ ایسے سیّال انگارے نے انگڑائیاں لیں کہ غلامی کی آہنی زنجیریں پگھل گئیں اور محکومیت کے بندھن راکھ ہو گئے۔ جن ہاتھوں نے کاسۂ گدائی تھام رکھا تھا، وہ بیباکانہ بڑھے اور ملوکیت کے تاج اُلٹنے لگے۔ جن لوگوں کے جذبات سے عاری سینے حاکموں کے لئے فرشِ راہ تھے ان کے قدموں میں عجیب لرزش ہوئی اور ان کی ٹھوکروں سے آقایانِ ولی نعمت کے تخت اُلٹنے لگے۔ غلاموں نے حصولِ آزادی کی خاطر اپنے سر اپنی ہتھیلیوں پر دھر لئے۔ قید و بند کی صعوبات برداشت کیں۔ حاکموں نے ان کے بیباک قدموں کے آگے نارِ جہنم سے دہکتے ہوئے الاؤ بچھا دئیے۔ مگر حریت کے فدائی اور آزادی کے پروانے اس دوزخ کے ایک ایک انگارے کے منہ میں اپنے قلب و جگر کا خون نچوڑتے آگے بڑھتے گئے۔ اور آخر آزادی سے ہمکنار ہو گئے۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کے وطن کی تقدیر غیروں کے قبضۂ قدرت میں نہ رہے۔ وہ اپنے ملک کی قسمت کو کسی کے اشارۂ ابرو کا محتاج نہیں رکھنا چاہتے تھے اور ما شاء اللہ ایسا ہی ہوا۔ انہوں نے اپنی منزل پالی۔ انہیں اپنا مقصود مل گیا۔ آزادی کی چھلم پہن کر ان کے دیس کی دھرتی کو اپنے رقصِ نشاط سے فردوسِ نظر بنانے لگی۔

آزادی کیا ہے؟

مگر جس آزادی کی خاطر اس قدر قربانیاں دی گئیں۔ آخر وہ ہے کیا چیز؟ کیا اسی کا نام آزادی ہے کہ گوشے کے لوگ دوسروں کی قسمت کا فیصلہ نہ کریں۔ ہم مسلمانوں کے لئے تو آزادی کی یہ تعبیر بالکل مہمل ہے کیونکہ ہم کسی اسود کو احمر پر اور کسی احمر کو اسود پر کوئی فضیلت نہیں دیتے۔ ہم رنگ، نسل، وطن وغیرہ کی حدود کو دیکھ کر قومیت کا فیصلہ ہی نہیں کرتے۔ ہم تو اسلام کو ایک الگ قومیت سمجھتے ہیں۔ اور کفر کو ایک علیحدہ قوم قرار دیتے ہیں۔ پھر آخر آزادی ہے کیا چیز؟ سچ پوچھئے تو اس سوال کا صحیح جواب مفکرینِ مغرب کے پاس بھی نہیں۔ وہ بھی یہی کہہ کر رہ جاتے ہیں کہ آزادی یہی ہے کہ ایک قوم اپنے ملک اور نسل کے اعیان و زعماء کے بنائے ہوئے قوانین کا اتباع کرے۔ لیکن جب انسان کے بنائے ہوئے قوانین کی پابندی ہی مقصود ہو تو پھر اپنے اور غیر کا امتیاز بے معنی ہے۔ آپ کسی ملک کو اپنا ملک کیوں کر کہہ سکتے ہیں۔ جب کہ آپ بھی چند صدی پیشتر وہاں اجنبی کی حیثیت سے داخل ہوئے تھے اور پھر انسانیت کی یہ تقسیم ہے بھی کس قدر غلط کہ ہم جغرافیہ کے نقشوں کی لکیریں دیکھ کر نسلِ انسانی کے ٹکڑے کرنے لگیں۔ حوادث کا کوئی بے رحم جھونکا آئے گا۔ انقلاب کی کوئی سنگدل آندھی اٹھے گی۔ تغیراتِ روزگار کا کوئی ستمگر تھپیڑا پڑے گا۔ اور تمہارا جغرافیہ بدل جائے گا۔ تمہارے نقشوں کی لکیریں فنا ہو جائیں گی۔ پھر تم کیا کرو گے؟ نیا جغرافیہ مرتب ہو گا۔ نئے نقشے بنیں گے اور

پھر نسلِ انسانی کی قبائے وحدت کو تار تار کرنے بیٹھو گے۔ قومیت و وطنیت کا یہ تصور کتنا غلط ہے اور آزادی کی یہ تعریف کیسی باطل ہے؟

اسلام میں آزادی کا تصور

اسلام میں آزادی کا تصور باقی اقوام کے تصورات سے بالکل مختلف ہے وہ یہ کبھی گوارا نہیں کرتا کہ انسان انسان کے آگے جھکے۔ آدمی کی پیشانی اپنے ہی جیسے آدمی کے سامنے اطاعت و محکومیت کے سجدے بکھیرے۔ اگر ایک چوپائے پر اپنی جنس کے دوسرے چوپائے کی حکومت نہیں چل سکتی۔ اگر ایک پرندہ اپنی جنس کے دوسرے پرندے کا محکوم نہیں رہتا تو اشرف المخلوق کیوں اپنے جیسے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کی اطاعت کرے۔ ایک گدھے نے کبھی دوسرے گدھے کی اطاعت میں سر نہیں جھکایا اور ایک کتے نے کبھی کتوں کی نسل کے لئے قوانین وضع کر کے ان سے اپنی غلامی نہیں کرائی تو انسان کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے جیسے انسانوں کے لئے قوانین وضع کرے۔

پس فی الواقع انسان کی آزادی اسی وقت ممکن ہے جب وہ قومیت و وطنیت کے اطواق و سلاسل کے ساتھ انسانی قوانین کے بندھنوں سے بھی نجات پائے۔

قرآنِ حکیم نے نبی عربیؐ (فداہ نفسی و امی و ابی) کی بعثت کا مقصد یہی قرار دیا کہ

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (۷/۱۵۷)

نبی عربیؐ انہیں اس بوجھ سے نجات دلائے گا جس سے ان کی پیٹھیں دوہری ہو رہی ہیں اور انہیں ان بندھنوں سے آزاد کرائے گا جن میں وہ گرفتار ہیں۔

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے

قرآن باقی نظام ہائے عالم کے مقابلہ میں یہ انوکھا تصور پیش کرتا ہے کہ حقیقی آزادی اور سچی حریت یہ ہے کہ انسان صرف خدائے قدوس کی حکومت اختیار کرے اور اسی کو اپنا حاکم سمجھے۔

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۚ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (۱۲/۴۰)

حکومت صرف اللہ کے لئے ہے۔ اس کا حکم ہے کہ صرف اسی کی محکومیت اختیار کرو اور کسی کو اپنا حاکم نہ سمجھو دینِ قیم یہی ہے مگر اکثر لوگ اس حقیقت سے بے خبر ہیں۔

خدائے قدوس کی ذاتِ بلند و برتر کے سوا کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ انسان سے اپنی حکومت تسلیم کرائے۔ حاکمیت کا اقتدار اسی کو زیبا ہے جو انسان کا خالق ہے۔ انسان کا مالک ہے اور جس کی کائنات میں انسان زندگی گزار رہا ہے۔ ملک اسی کا ہے اس لئے حکومت بھی اسی کی ہونی چاہیئے۔ اگر کوئی اور جابر ہستی انسانوں پر اپنی حاکمیت کا اقتدار قائم کراتی ہے تو انسانوں کا فرض ہے کہ اس کا انکار کریں۔ کیونکہ قرآن ایسے شخص کو طاغوت قرار دیتا ہے۔

حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری!

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَن يَكْفُرُوا بِهِ (۴/۶۰)

اے پیغمبرِ اسلامؐ! کیا آپ نے منافقوں کی حالت نہیں دیکھی۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ جو کچھ تم پر نازل ہوا ہے اور جو کچھ تم سے پہلے نازل ہو چکا ہے وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں لیکن عمل کا حال یہ ہے کہ اپنے تصفیوں میں طاغوت کو حکم تسلیم کرتے ہیں۔ حالانکہ انہیں حکم دیا جا چکا ہے کہ اس سے انکار کریں۔

خدا کا حکومت میں کوئی شریک نہیں

قرآن بڑی صراحت سے بار بار یہ اعلان کرتا ہے کہ حکومت میں اللہ کا کوئی شریک نہیں۔

لَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا ۝

وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

انبیاء بھی حکومت میں شریک نہیں ہو سکتے

انسانوں پر حکومت کرنا صرف خدائے قدوس کو زیبا ہے۔ انبیاء کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ انسانوں کو اپنا عبد بنالیں۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّي مِن دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِن كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ ۝ (۳/۷۸)

کسی انسان کو یہ زیبا نہیں کہ اللہ اُسے کتاب حکم اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں کو کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ بلکہ وہ تو یہی کہتا ہے کہ ربانی بنو کیونکہ تم کتاب اللہ کی درس و تدریس میں مشغول رہتے ہو۔

اللہ اور رسول کی اطاعت

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر حکومت صرف خدا کے لئے ہے اور مطاعِ حقیقی وہی ہے تو پھر ان چند آیات کا کیا مفہوم ہوگا جن میں اللہ کے ساتھ رسول کی اطاعت کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اللہ اور رسول دونوں مطاع ہیں۔ اور دونوں کی الگ الگ اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن ایسا سمجھنے والوں نے قرآن کے اندازِ بیان اور تفسیر الآیات بالآیات کے اصول سے صرفِ نظر کر لیا ہے۔ یہ تو خود خدائے قدوس ہی سے پوچھنا چاہیئے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت سے مفہوم کیا ہے۔ اگر آپ یہ سوال کتاب اللہ سے پوچھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اللہ اور رسول سے کوئی ایک چیز ہی مراد ہے کیونکہ دونوں کے لئے

واحد کا صیغہ بھی اکثر مقامات پر استعمال کیا گیا ہے۔ حالانکہ عربی کے قاعدے کے مطابق واحد کی بجائے تثنیہ کا صیغہ استعمال ہونا چاہیئے۔

اللہ اور رسول کیلئے واحد کا صیغہ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ ——— (۸/۲۰)

اے مسلمانو! اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔ اور اس سے روگردانی نہ کرو۔

اس آیت میں اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کا حکم ہے۔ اگر اس سے دو الگ الگ اطاعتیں مقصود ہوتیں تو آگے تثنیہ کا صیغہ عنھما آنا چاہیئے تھا۔ لیکن وہاں صرف عَنْهُ آیا ہے۔ جو واحد غائب کا صیغہ ہے۔ پس معلوم ہوا کہ دراصل دونوں سے ایک ہی چیز مقصود ہے۔ ذرا آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ۔

اے مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول کی پکار کا جواب دو جب وہ پکارتا ہے تاکہ تمہیں زندہ کر دے۔

اس میں بھی اللہ اور رسول کے الفاظ موجود ہیں لیکن صیغہ تثنیہ کا نہیں بلکہ واحد غائب کا آیا ہے۔ دَعَاكُمْ ایک اور جگہ ہے

وَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ وَ اِنْ یَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ یَاْتُوْۤا اِلَیْهِ مُذْعِنِیْنَ ۔ (۲۴/۴۸-۴۹)

اور جب وہ (منافقین) اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو ان میں سے ایک فریق منہ پھیر لیتا ہے اور اگر ان کا حق کسی کے ذمہ ہو تو وہ اس کی طرف سر جھکائے چلے آتے ہیں۔

یہاں بھی لِیَحْكُمَ اور اِلَیْهِ میں واحد کے صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ اس سے ذرا آگے ہے۔

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْهِ مَا حُمِّلَ وَ عَلَیْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِیْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ ۔

فرما دیجئے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ پھر اگر روگردانی کرنے لگ جاؤ تو سمجھ لو کہ اس کے ذمہ وہ ہے جس کا اس پر بار رکھا گیا ہے اور تمہارے ذمہ وہ طاعت ہے جس کا بوجھ تم پر رکھا گیا ہے اگر تم نے اس کی اطاعت کی تو ہدایت پاؤ گے۔

اس میں اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے لیکن علیہ اور تطیعوہ میں واحد غائب کی ضمیریں استعمال ہوئی ہیں۔ ان آیات میں آپ نے دیکھا کہ اللہ اور رسول کو ایک چیز قرار دیا گیا ہے۔

اللہ اور رسول سے کیا مراد ہے؟

سوال یہ ہے کہ وہ کون سی ایک چیز ہے جسے اللہ اور رسول کا قائم مقام ٹھہرایا

گیا ہے۔ اس امر پر غور کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اللہ اور رسول سے مراد وہ مرکزِ نظامِ اسلامی ہے جو قرآنی احکام نافذ کرے۔ چونکہ سب سے پہلے خود رسولِ خدا صلعم نے یہ نظام قائم کیا وہی اس کے سربراہ، امیر اور امام تھے اس لئے وہی سب سے پہلے مرکزِ ملت تھے ان کے بعد خلفائے راشدین نے نظام چلایا۔ اس لئے وہی حضرات مرکزِ ملت تھے اور ان کی اطاعت مسلمانوں پر فرض تھی۔ اب بھی جو حکومت قرآنِ حکیم کو اپنا آئین قرار دے اور جن احکام کے اصول و جزئیات قرآن نے متعین کر دیئے ہیں وہ اسی طرح نافذ کرے۔ اور جو جزئیات غیر متعین ہیں ان کا تصفیہ قرآن کے اصولی احکام اور زمانہ کے تقاضوں کے مطابق کرے تو اس حکومت کی اطاعت بھی اللہ اور رسول کی اطاعت ہوگی۔ جس طرح حضرات صدیقؓ و فاروقؓ کی اطاعت اللہ اور رسول کی اطاعت تھی۔

اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم

اب سورۂ نساء کی اس آیت کو لیجئے جس میں خدائے قدوس نے اسلامی نظام کی پوری وضاحت کر دی تھی مگر جس کا غلط مفہوم لینے سے عجیب طرح کی مشکلات پیدا ہو گئیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ۔

اے پیروانِ دعوتِ ایمانی اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی اطاعت کرو جو تم میں صاحبِ حکم ہوں۔ پھر اگر کسی معاملے میں اختلاف ہو جائے تو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو۔

اس آیت میں علمائے کثرۃ قدوسی[1]، اللہ سے قرآن مراد لیتے ہیں رسول سے کتبِ احادیث اور اولوالامر سے حکومتِ وقت اور اس کی تفسیر یوں کی جاتی ہے کہ اگر کسی معاملہ میں کسی فرد کو حکومتِ وقت سے اختلاف ہو جائے تو قرآن اور حدیث کو سامنے رکھ کر مناظرہ و مباحثہ ہو۔ اور جو ہار جائے فیصلہ اس کے خلاف ہو۔ ذرا غور کیجئے کہ جس طریق کو یہ لوگ اس قدر اہمیت دے رہے ہیں کیا واقعتاً اگر اسے یہ اہمیت مل جائے تو کوئی نظامِ حکومت باقی رہ سکتا ہے فرض کیجئے کوئی حکومت حدیث ہی کو سامنے رکھ کر یہ فیصلہ کرتی ہے کہ تین درہم کی چوری پر چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ چور جب یہ حکم سنتا ہے تو وہ حدیث ہی کی کتابیں اٹھا کر مناظرہ کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے جن میں صاف طور پر یہ بھی موجود ہے کہ دس درہم سے کم کی چوری پر قطعِ ید نہیں۔ حکومت وطی فی الدبر کی حرمت کا فیصلہ احادیث ہی کی بنا پر

---

[1] واللہ اس ترکیب سے ان لوگوں پر طنز مقصود نہیں۔ بلکہ مقصد اظہارِ حقیقت ہے۔ آپ نے بھی دیکھا ہوگا کہ ان کے فتاویٰ میں قرآنِ حکیم اور وقت کے تقاضوں کو نظرانداز کیا جاتا ہے۔ صرف فقہی کتب یا زیادہ سے زیادہ ایک دو حدیثوں کے حوالے ہوتے ہیں۔ اس لئے انہیں علمائے دین کیونکر کہا جائے۔ (الشریانی)۔

پر کرتی ہے۔ اور اس کا مرتکب احادیث ہی کی بنا پر کہتا ہے کہ اس میں کوئی قباحت نہیں۔ حکومت فیصلہ کرتی ہے کہ متعہ کے مرتکب کو سزا دی جائے اور متعہ کرنے والا احادیث کی کتابیں بغل میں داب کر حکومت کو مناظرہ کا چیلنج دے دیتا ہے۔ حکومت فیصلہ کرتی ہے کہ مجلسِ واحد میں تین طلاق دینے سے عورت مطلقہ ہو جاتی ہے اور طلاق دینے والا حدیث ہی کی کتابوں سے دلائل لا کر ثابت کر دیتا ہے کہ ایسا کرنے سے صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔

ایسی حکومت دُنیا کی عجیب ترین حکومت ہوگی

فی الواقع اگر اس طرح کی کوئی حکومت دنیا کے کسی خطے پہ قائم ہو جائے تو وہ اپنی طرز کی عجیب ترین حکومت ہوگی اور دنیا کی دوسری قوموں کے لئے ایک لطیفہ بن جائے گی۔ ہماری اسی کم ذوقی کو منتصب پادری ایچ ایچ، فادر نے کس سنگدلی سے اچھالا ہے:

"یہ دور ۔۔۔ یہ علم وعقل سے منور دور ۔۔۔ میری باتیں سن کر حیران ہوگا کہ آج بھی کچھ مُلّا اپنے مذہب کو سیاست میں گھسیٹنے کی احمقانہ کوشش میں لگے ہوئے ہیں ۔۔۔ یہ وہ بدخود غلط قسم کے لوگ ہیں۔ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور ان کا دعویٰ یہ ہے کہ مذہب اسلام کی بنیادی کتابوں ۔۔۔ قرآن و حدیث ۔۔۔ کو سامنے رکھکر اگر قانون بنایا جائے تو ہماری تمام مشکلات حل ہو سکتی ہیں۔ قرآن و حدیث میں سے حدیث تو ایک ایسی چیز ہے جس میں سینکڑوں کتابیں شامل ہیں۔ ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ اس حدیث کے ذخیرہ میں مہتم بالشان مسائل یہ ہیں کہ کتا اگر کنوئیں میں گر جائے تو پانی کی کتنی بالٹیاں نکالی جائیں کہ وہ کنواں پاک ہو جائے۔ اگرچہ ان مسائل میں بھی احادیث باہم مختلف ہیں۔ مگر سب سے زیادہ اختلاف ان تمدنی مسائل میں ہے جو کہیں کہیں ان کتابوں میں آجاتے ہیں۔ یہ لوگ ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر سکے کہ صدرِ مملکت کون ہو سکتا ہے۔ بیشتر احادیث میں تو یہ عجیب شرط بیان کی گئی ہے کہ صدرِ مملکت ہر حال میں قریشی ہونا چاہیئے۔ کچھ ایسی احادیث بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حبشی بھی صدرِ مملکت ہو سکتا ہے ۔۔۔ مُلّا کے یہ دعوے کہ اسلام ایک مکمل نظامِ زندگی ہے قطعاً بے بنیاد ہیں۔ ہم دست بدعا ہیں کہ ایسا عجیب وغریب نظام جس میں ہر چیز جائز بھی ہے اور ناجائز بھی، جلد قائم ہو جائے تاکہ دنیا کو قہقہوں کا سامان مل جائے۔ (معاذ اللہ ۔ طلوعِ اسلام)

(RELIGION AND POLITICS P. 192)

ہر فرقہ کا رسول الگ ہے (معاذ اللہ)

اگر اطاعتِ رسولؐ سے مراد حدیث ہے تو ماننا پڑے گا کہ معاذ اللہ ہر فرقہ کا رسول الگ ہے۔ کیونکہ ہر فرقہ نے اپنی احادیث الگ بنا رکھی ہیں جنفی جن احادیث کو تسلیم کرتے ہیں شافعی ان سے روگردانی کرتے ہیں اسی طرح

حنابلہ اور مالکیہ بھی ایک دوسرے کی مخالف احادیث سے استناد کرتے ہیں۔ بخاری شریف کی سینکڑوں روایات ہیں جنہیں حنفیہ، شوافعہ، مالکیہ، حنابلہ تسلیم نہیں کرتے۔ باقی کتب احادیث کا بھی یہی حال ہے۔ شیعوں کی احادیث کی کتابیں ہی بالکل الگ ہیں۔ فی الواقع اگر ملاؤں کے شور و غوغا سے کسی ملک میں ایسا انتظام قائم ہو گیا تو دکھیا ری۔ گرمعاذ اللہ چند فقیہے مل جائیں گے اور وکیلوں کے وارے نیارے ہو جائیں گے۔ کیونکہ یہاں خود احادیث میں ہی ہر طرح کے دلائل مل جائیں گے۔

آیہ محولہ بالا کا صحیح مفہوم

سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس آیۂ کریمہ میں اللہ، رسول اور اولوالامر کا مفہوم کیا ہے؟ درحقیقت اس آیت میں اسلامی نظام کا پورا خاکہ بیان کیا گیا ہے جیسا کہ پہلے واضح کیا جا چکا ہے۔ اللہ اور رسول سے مراد مرکز ملت (CENTRAL AUTHORITY) ہے اور اولوالامر سے مقامی حکام مراد ہیں۔ گویا یہاں کہا یہ گیا ہے کہ اگر کسی معاملہ میں مقامی حکام سے اختلاف ہو جائے تو وہیں مناقشہ کا آغاز نہ کر دو۔ بلکہ اس معاملہ کو مرکزی حکومت کے سامنے پیش کرو۔ وہاں سے جو فیصلہ صادر ہو وہ ہر ایک کے لئے واجب التسلیم ہوگا۔ یعنی یہاں مقامی حکام کے فیصلے کے خلاف مرکزی حکومت میں اپیل کا حق دیا گیا ہے۔

اولوالامر سے مراد مقامی حاکم ہیں

ہم نے اولوالامر سے مقامی حاکم یوں ہی مراد نہیں لئے۔ خود قرآن حکیم سے بھی اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ اسی سورۃ النساء کی ایک اور آیت میں وضاحت کی گئی ہے کہ

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۗ ـ

اور جب انہیں امن یا بدامنی کی کوئی خبر ملتی ہے تو یہ اسے لوگوں میں مشتہر کر دیتے ہیں اگر یہ اس کی بجائے اللہ کے رسول اور مقامی حکام کے سامنے یہ خبر پیش کرتے تو جو بات کی تہ تک پہنچنے والے ہیں وہ حقیقت معلوم کر لیتے اور عوام میں بے اطمینانی نہ پھیلتی۔

اس آیت میں رسول کے ساتھ ہی اولوالامر کا وجود تسلیم کیا گیا ہے۔ یعنی نبی صلعم کے زمانے میں بھی اولوالامر تھے۔

پس ثابت ہوا کہ اولوالامر سے مراد مقامی حکام ہیں۔ احادیث سے بھی اسی مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ ہم صرف ایک روایت بیان کرتے ہیں۔

عن حجاج بن محمد قال قال ابن جریج نزل يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۝ فی عبد اللہ بن حذافہ بن قیس بن عدی السہمی رضی اللہ عنہ۔ بعثہ النبی صلعم فی سریۃ اخبرنیہ یعلی ابن مسلم عن سعید بن جبیر عن ابن عباسؓ ـ

حجاج بن محمد سے روایت ہے کہ ابن جریج نے کہا یہ آیت یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ...... الخ عبداللہ بن حذافہ کے بارے میں اتری۔ جب رسول خدا صلعم نے انہیں ایک فوج کا سردار بنا کر بھیجا۔ ابن جریج نے کہا یہ روایت مجھ سے یعلیٰ بن مسلم نے سعید بن جبیر اور ابن عباس کے واسطے سے بیان کی۔ (صحیح مسلم شریف باب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ وتحریمہا فی المعصیۃ)

اس روایت سے ظاہر ہے کہ صحابہ اولوالامر کا کیا مفہوم سمجھتے تھے؟

خلاصۂ مباحث

آگے بڑھنے سے پیشتر گزشتہ مباحث پر طائرانہ نظر ڈال لیجئے۔

۱۔ اصل آزادی خدائی قانون کی پابندی ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کا واحد حاکم ہے۔ وہ اپنی حاکمیت میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ انبیاء بھی اس کی حاکمیت میں شریک نہیں۔

۳۔ اللہ اور رسول کی اطاعت کا مقصد ہے اس نظامِ حکومت کی اطاعت جو قرآنی بنیادوں پر قائم ہو۔

۴۔ اللہ اور رسول سے مرکزِ ملت اور اولوالامر سے مقامی حکام مراد ہیں۔

۵۔ مقامی افسروں کے فیصلوں کے خلاف مرکزی عدلیہ میں اپیل کی جا سکتی ہے۔

اب میں اسلامی نظام کے اولین اصول (منصبِ خلافت) اور اس کے متعلقات کے متعلق مختصر خاکہ پیش کرتا ہوں۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے یہ خاکہ بھی وہی ہے جو ادارہ فقہ العصر الجدید کے اراکین نے باہمی مشورہ سے طے کیا ہے۔

امیر المومنین کا انتخاب

رسول خدا صلعم مامور من اللہ تھے اس لئے منصب خلافت کے لئے ان کے انتخاب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان کے بعد ملت کو اختیار ہے کہ وہ اپنا امام خود منتخب کرے۔ انتخاب کا معیار خدا نے خود تجویز کر دیا کہ

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ۔

اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔

امیر المومنین کی اطاعت

ایسا ہی امیر المومنین رسولِ خدا صلعم کا صحیح جانشین ہوگا اور اس کی اطاعت اللہ اور رسول کی اطاعت ہوگی۔ اس سلسلے میں سرورِ کائنات صلعم کے واضح ارشادات موجود ہیں۔

عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلعم اسمعوا واطیعوا وان استعمل علیکم

عبد حبشی کان راسه زبیبة (بخاری شریف)

انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر کوئی سر دالا حبشی غلام بھی حاکم مقرر ہو جائے۔

جناب ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں۔

ان خلیلی اوصانی ان اسمع واطیع وان کان عبداً حبشیاً مجدع الاطراف (مسلم شریف)

میرے دوست رسول خدا صلعم نے مجھے وصیت کی کہ سنو اور اطاعت کرو اگرچہ حاکم ہاتھ پاؤں کٹا حبشی غلام بھی ہو۔

حضرت عبادہ بن الصامت فرماتے ہیں۔

بایعنا رسول اللّٰہ صلعم علی السمع والطاعة فی العسر والیسر والمنشط والمکرہ وعلی اثرة علینا وعلی ان لا ننازع الامر اھلہ وعلی ان نقول بالحق اینما کنا لا نخاف فی اللّٰہ لومة لائم۔ (مسلم شریف)

ہم نے جناب رسول خدا صلعم کی بیعت کی سننے اور اطاعت کرنے پر تنگی اور راحت میں، خوشی اور ناخوشی میں چاہے ہمارے حق کا خیال نہ رکھا جائے ہم اس شخص کی سرداری میں جھگڑا نہ کریں گے جو اس کا اہل ہو۔ ہم جہاں بھی ہوں سچ کہیں گے اور اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کریں گے۔

فقہ شاہ پرستی سکھاتی ہے

امیرالمومنین کی اطاعت اس لئے فرض ہے کہ وہ خود کتاب اللہ کا سب سے بڑا متبع ہوتا ہے اور سب سے زیادہ قوانین خداوندی کا پابند۔ اسلام ایک ایسا نظام ہے کہ اس کی عدالت دنیا میں بے مثال ہے۔ آسمان کی آنکھوں نے یہ انوکھے نظارے بھی دیکھے ہیں کہ امیرالمومنین عمر فاروقؓ پر دعویٰ کیا جاتا ہے اور وہ خود مدعیٰ علیہ کی حیثیت سے عدالت کے کٹہرے میں آکھڑے ہوتے ہیں۔

لیکن فقہ حنفی[1] چونکہ اس وقت مرتب ہوئی جب ملوکیت کا استبداد پوری طرح سے اسلام کے اجتماعی نظام میں اپنی جڑیں پھیلا چکا تھا۔ اس لئے اس فقہ میں مسلمانوں کے بادشاہ کے ساتھ خاص قسم کی مراعات روا رکھی گئی ہیں جنہیں انگریزوں کے تصور ۔ بادشاہ کے آسمانی حقوق" (DIVINE RIGHTS OF KINGS) کا چربہ کہنا چاہیئے چنانچہ فقہ حنفی کی جو کتاب آپ دیکھیں گے اس میں یہ عجیب و غریب قانون ملیگا کہ مسلمانوں کا بادشاہ چوری کا

---

[1] امام اعظم ابو حنیفہ کے زمانے میں فقہ حنفی کی تدوین نہیں ہوئی۔ فقہ کی کتابیں بہت بعد میں لکھی گئیں اور ان میں بھی اکثر مقامات پر امام اعظم کے اقوال چھوڑ کر صاحبین کے اقوال پر فتویٰ دیا گیا ہے۔ (الشہ باقی)۔

— مرتکب ہو یا زنا کا اس پر کوئی حد نہیں۔ صرف قصاص کے معاملہ میں اس پر حد ہے۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔

کل شئی صنعہ الامام الذی لیس فوقہ امام فلا حد علیہ الا القصاص۔

مسلمانوں کا بادشاہ جو کام بھی کرے اس پر کوئی حد نہیں سوائے قصاص کے۔

(ہدایہ اولین۔ کتاب الحدود باب الوطی الذی یوجب الحد والذی لا یوجبہ)

خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی۔ اب ہم اس موضوع پر غور کریں گے کہ امیر کی اطاعت پر اس قدر زور کیوں دیا گیا ہے ؟ اس امر پر غور کرنے سے پہلے یہ سوچئے کہ حکومت کا مقصد کیا ہے ؟

حکومت کا مقصد

حکومتیں محض اس لئے قائم کی جاتی ہیں کہ انسان جو ایک متمدن حیوان ہے منظم قسم کی جماعتی زندگی اختیار کرے۔ ایسی جماعتی زندگی اسی وقت ہی نصیب ہو سکتی ہے جب حکومت کے ساتھ مکمل طور پر تعاون کیا جائے مگر حکومت بھی وہی اطاعت کی مستحق ہے جو کتاب اللہ کے مطابق ہو۔ حدیث شریف میں ہے۔

کون سی حکومت اطاعت کی مستحق ہے

عن یحییٰ بن حصین قال سمعت جدتی تحدث انہا سمعت النبی صلعم یخطب فی حجۃ الوداع وھو یقول ولو استعمل علیکم عبدٌ یقودکم بکتاب اللہ اسمعوا لہ واطیعوا۔ (مسلم شریف)

یحییٰ بن حصین کہتے ہیں میں نے اپنی دادی سے سنا وہ فرماتی تھیں کہ میں نے رسول خدا صلعم سے سنا۔ انہوں نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا اگر تم پر ایک غلام بھی حاکم مقرر ہو جائے جو کتاب اللہ کے مطابق تم پر حکومت کرے تو اس کا حکم سنو اور اس کی اطاعت کرو۔

کتاب اللہ کے احکام غیر متبدل اور صریح ہیں اگر لوگ روایات سے بے نیاز ہو کر پڑھا جائے تو ہر شخص ان سے ایک ہی قسم کا مطلب اخذ کرے گا۔ لیکن اگر آپ حدیث کو بھی شامل کر لیں تو پھر مقتدا کی ہی کی وہ شکل قائم ہو گی کہ بنا بریں۔ حکومت کو ہر حکم نافذ کرنے سے پہلے مولویوں کا منہ تکنا پڑے گا کہ کہیں وہ اسے خلاف اسلام قرار نہ دے ڈالیں بلکہ مولویوں نے اس طرح کا منصب بہت پہلے سے اپنے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔ چنانچہ امام نووی لکھتے ہیں۔

"بعض نے کہا اولوالامر سے حکام مراد ہیں اور بعض نے کہا کہ اولوالامر جن کی اطاعت فرض کی گئی ہے وہ یہی علماء ہیں" (شرح مسلم للنووی باب طاعۃ الامراء)

علماء کی طرف سے یہ بات بھی پیش کی جاتی ہے کہ امام کی اطاعت صرف معروف میں ہو گی، منکر میں نہیں۔ سوال پیدا ہوا کہ معروف کا تعین کون کرے گا ؟ تو اب کہا کہ صرف علماء کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ معروف کا تعین کریں۔ گویا اصل حکومت مولویوں کی ہوئی کہ جس چیز کو معروف قرار دیں وہ معروف ٹھہرے اور جس کو منکر کہہ دیں وہ منکر قرار پائے۔ یہ تخفیا کہ رہیں کی

وہی شکل ہے جس نے یورپ میں جنم لیا تھا اور مظالم کی انتہا کر دی تھی۔ یورپ بیدار مغز تھا۔ اس نے جلد ہی اس سے پیچھا چھڑا لیا۔ لیکن اگر کسی اسلامی ملک میں اس چیز نے جنم لے لیا تو پھر اسلام کا وہ رہا سہا وقار بھی دنیا میں ختم ہو جائے گا۔ جو بعض سنجیدۃ الخیال مفکرین کی کتب سے قائم ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو چیز قرآن کی منشاء کے مطابق ہے وہ معروف ہے اور جو اس کے خلاف ہے وہ منکر ہے۔ پس اگر کوئی امیرالمومنین صریح طور پر قرآن کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کرتا تو وہ واجب الاطاعت ہے تاکہ امت میں آسانی اتحاد باقی رہے۔ مرکزیت قائم رہے۔ اس وحدتِ ملی کی بدولت وہ ترقی کرتی چلی جائے۔

جماعتی زندگی

ہر قوم کی ترقی کا راز اجتماعیت میں ہے۔ جب کسی قوم کے افراد میں وحدتِ فکر و عمل پیدا ہو جائے تو دیکھتے دیکھتے وہ آسمان پر پہنچ جاتی ہے۔ قرآن حکیم نے اسی لئے وضاحت کر دی کہ مسلمانوں کو ہمیشہ ایک جماعت رہنا چاہیئے۔ نہ ان میں مذہبی فرقہ بندیاں ہوں نہ سیاسی پارٹی بازیاں۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ سب مل جل کر اللہ کی رسی (قرآن) کو مضبوطی سے پکڑے رکھو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مذہبی وسیاسی گروہ بندی شرک ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ۔

جن لوگوں نے دین تفریق کی اور گروہ گروہ ہو گئے۔ ان سے اے رسول تیرا کچھ تعلق نہیں۔

اس قرآنی آیت کی تفسیر میں حضرت فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلعم نے ام المومنین عائشہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

یا عائشۃ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا هم اصحاب البدع والاهواء ليس لهم توبة انا منهم برئ وهم منى براء۔ (جامع الصغیر للطبرانی)

اے عائشہؓ! جو لوگ دین میں فرقے پیدا کرتے ہیں اور مختلف گروہوں میں بٹ جاتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو دین میں نئی چیز پیدا کرتے ہیں اور اپنی خواہشات کے بندے ہیں ان کی توبہ بھی کچھ نہیں۔ میں ان سے اور وہ مجھ سے بری ہیں۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا۔

اے مسلمانو! ان مشرکوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے دین میں تفریق پیدا کر لی۔ اور گروہ گروہ ہو گئے۔

یہاں سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اسلامی نظام میں کسی کو یہ اجازت نہ ہو گی کہ وہ مذہبی گروہ بندیاں قائم کرے یا

سیاسی پارٹیاں بنائے۔ اُمّت کا نظام عقیدہ وعمل ایک ہوگا۔ پوری امت ایک سیاسی پارٹی ہوگی۔ آج کل عام طور پر یہ نعرے بلند کئے جاتے ہیں کہ اسلامی فرقوں کے پرسنل لا کی محافظت کا تقاضا یہ ہے کہ تمام فرقوں کی فقہ یا شریعت کو آزادی ہونی چاہیئے۔ یعنی پرسنل لا ہر فرقہ کے الگ الگ ہوں یہ نعرے اسلام کے نام لیواؤں کی طرف سے جب بلند کئے جاتے ہیں تو تعجب ہوتا ہے کہ یہ لوگ اسلام سے کس قدر ناواقف ہیں[1]۔ مسلمانوں میں الگ الگ پرسنل لا دراصل انگریزوں کی شرارت کی یادگار ہے۔ دینِ اسلام میں فرقوں کے وجود کی کوئی گنجائش نہیں۔ رسولِ خدا صلعم اور خلفائے راشدین کے دور میں صرف ایک قانون تھا۔ ملکی اور شخصی قوانین الگ نہ تھے۔ ایسا قانون جس میں سینکڑوں فرقوں کو آزادی کی ضمانت دی گئی ہو وحدتِ اُمّت کے سراسر منافی ہے۔ صرف غیر مسلموں کو یہ رعایت دی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے مذہبی مناسک کو محفوظ رکھیں۔ ملکی قوانین ان کے بھی یہی ہوں گے جو مسلمانوں کے ہیں۔

تمسک بالجماعت چونکہ وحدتِ امت ہی دین کا اصل الاصول ہے۔ اس لئے نبی صلعم کے بیشتر تاکیدی ارشادات اس ضمن میں وارد ہوئے ہیں ارشاد ہے۔

"میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں جن کا مجھے اللہ نے حکم دیا۔ جماعت، سمع، طاعت، ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ۔ یقین کرو جو مسلمان بالشت بھر جماعت سے الگ ہوگیا اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دیا اور جس نے جاہلیت کی زندگی یعنی انتشار و افتراق کی طرف دعوت دی تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ اگرچہ وہ نماز پڑھتا ہو اور روزے رکھتا ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں! چاہے وہ نمازی اور روزہ دار بھی ہو اور اپنے آپ کو مسلمان بھی سمجھتا ہو۔"

(مسند احمد۔ مستدرک حاکم)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا

"جو شخص اطاعت سے الگ ہوگیا اور جماعت کو چھوڑ بیٹھا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔"

(مسلم شریف)

ایک اور حدیث ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

"جو شخص جماعت سے بالشت بھر بھی باہر جائے گا اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی" (بخاری شریف)

ایک اور مقام پر آپ نے فرمایا۔

"اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔ جو جماعت سے الگ ہوا وہ جہنم میں گرا" (ابن ماجہ شریف)

---

[1] غور کیجئے مولوی صاحبان مصر میں ہوں یا پاکستان میں سب کی ذہنیت ایک ہی ہوتی ہے۔ (طلوعِ اسلام)

اجتماعی نظام میں افتراق پیدا کرنے والے کی سزا!

اور جو شخص امت کے اجتماعی نظام میں انتشار پیدا کرنے کی دعوت دے اس کی سزا بھی رسول اکرمؐ کی زبانِ صداقت ترجمان سے سن لیجئے۔ آپ نے فرمایا!

" جو شخص تمہارے پاس آئے اس وقت جب تمہارا نظام ایک امیر کے تابع قائم ہو اور وہ چاہے کہ تمہارے اجتماعی نظام میں افتراق پیدا کرے تو اسے قتل کر دو۔" (مسلم شریف)

ایک اور مقام پر ہے۔

" عرفجہ کہتے ہیں میں نے رسولِ خدا سے یہ ارشاد سنا کہ عنقریب بڑے فتنے رونما ہوں گے۔ پس اگر کوئی شخص امت کے سیاسی نظام میں اختلال پیدا کرنا چاہے اور امت متفق ہو چکی ہو تو تلوار سے اس کی گردن اڑا دو۔" (مسلم شریف)

شاہ ولی اللہؒ مرحوم ایسی متعدد روایات نقل کر کے لکھتے ہیں۔

" جب کسی شخص کے لئے بیعت منعقد ہو جائے اور اس کی حکومت قائم ہو جائے پھر اگر کوئی دوسرا آدمی خروج کرے تو چاہیئے کہ اس دوسرے کو قتل کر دو خواہ وہ پہلے سے افضل ہو یا مساوی یا کمتر۔" (ازالۃ الخفا جلد اول)

امیر کی اطاعت

تمسک بالجماعت کا یہی وہ عظیم القدر نظریہ تھا جس کی بنا پر یہ حکم دیا گیا کہ جب تک امیر سے " کفر بواح " (کھلم کھلا کفر) ظاہر نہ ہو اس کی اطاعت فرض ہے۔ چنانچہ حضرت جنادہ بن امیہ کہتے ہیں۔

" ہم لوگ حضرت عبادہ بن الصامت کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ اس وقت علیل تھے۔ ہم نے عرض کیا، اللہ آپ کو سلامت رکھے کوئی ایسی حدیث بیان فرمایئے جو نفع بخش ہو اور آپ نے نبی صلعم سے سنی ہو۔ انہوں نے فرمایا۔ ہمیں رسولِ خدا صلعم نے طلب فرمایا اور جن امور پر بیعت لی ان میں یہ بھی تھا کہ ہم امیر کی بات سنیں گے۔ اور اس کی اطاعت کریں گے چاہے اس کی بات ہمیں پسند ہو یا ناپسند۔ اس پر عمل مشکل ہو یا سہل۔ اور اس کے لئے ہمیں کچھ قربانی ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔ اور یہ کہ حکومت کے معاملہ میں ہم برسراقتدار شخص سے جھگڑا نہ کریں جب تک اس سے کھلم کھلا کفر ظاہر نہ ہو اور اللہ کی طرف سے اس بارے میں قطعی دلیل موجود نہ ہو۔" (بخاری۔ کتاب الفتن)

یعنی اطاعت معروف میں ہوگی منکر میں نہیں۔ مگر منکر وہی ہے جسے حدیث میں کھلم کھلا کفر کہا گیا ہے اور جس کے متعلق اللہ کی طرف سے قطعی دلیل موجود ہو جائے۔ اس معاملہ میں امام اعظمؒ صاحب کا یہ قول بہت مشہور ہے کہ

لا نری الخروج علی الائمۃ ولو جاروا

ہم حاکمانِ وقت کے خلاف خروج جائز نہیں سمجھتے۔ اگرچہ وہ ظلم کریں۔[1]

ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی مسلک تھا جیسا کہ ان کے عمل سے ظاہر ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے جمہور اہل سنت کا یہی مسلک قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

"اہل سنت کا یہ معروف مسلک ہے کہ وہ حاکمانِ وقت کے خلاف خروج اور قتال بالسیف کو ناجائز سمجھتے ہیں چاہے وہ لوگ ظلم بھی کریں۔ اور اس پر احادیث صحیحہ بھی دلالت کرتی ہیں۔ کیونکہ حاکمانِ وقت سے جنگ کرنے کا فساد اس فساد سے بڑھ کر ہے جو بغیر قتال کے ان کے ظلم کی وجہ سے پیدا ہو"

(منہاج السنۃ النبویہ ج ۲)

(اس کے بعد انہوں نے اس نکتہ کی مزید وضاحت کی ہے جسے ہم نے بغرض اختصار حذف کر دیا ہے۔ طلوع اسلام)

بہرحال ہم عرض یہ کر رہے تھے کہ اسلامی نظام میں کسی قسم کی سیاسی پارٹی یا مذہبی گروہ بندی کو برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ مسلمان ایک قوم کا نام ہے۔ اس قوم کے اندر پھر کیسے مختلف قومیں گوارا کی جا سکتی ہیں۔ اسلام ایک اجتماعی سیاسی نظام کا نام ہے اس میں پھر کیسے مختلف سیاسی پارٹیاں برداشت کی جا سکتی ہیں۔

خلاصہ مباحث

مباحث گزشتہ پر ایک طائرانہ نظر ڈال کر ہم اس مضمون کو ختم کرتے ہیں۔

۱۔ اسلامی نظام میں انتخاب امیر کا معیار ہوگا ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم۔

۲۔ امیر کتاب اللہ کی اطاعت کرے تو اس کی اطاعت مومنوں پر فرض ہے۔

۳۔ اسلام ایک اجتماعی نظام کا نام ہے اس میں مذہبی و سیاسی گروہ بندیوں کو برداشت نہیں کیا جا سکتا۔

۴۔ امیر کے خلاف خروج اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اس سے صریح کفر صادر نہ ہو۔

---

[1] جمہوری اور آئینی دور میں قوم کی طرف سے خروج (بغاوت) کا سوال ویسے بھی پیدا نہیں ہوتا۔ اب ایسی زیادتیوں کا مداوا آئینی طور پر کیا جا سکتا ہے۔ طلوع اسلام۔

مفت دوا برائے ——— دمہ، دردگردہ و پتھری

ملنے کا پتہ

حاجی محمد دین شیخ آئس فیکٹری متصل گنیش کھوپرا ملز۔ لارنس روڈ۔ کراچی۔

اپنے پتہ کا لفافہ بھیج کر دوا مفت منگالیں